بسم اللہ الرحمن الرحیم

نظرات

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ پاکستان اسی لئے حاصل کیا گیا تھا کہ اس اسلامی ریاست میں اسلام کو بطور نظامِ حیات کے نافذ کیا جائے چنانچہ نفاذِ اسلام کے لئے عوام کے مطالبات اور ان کی انفرادی اور اجتماعی کوششیں اور حکومتوں کی سطح پر بعض عملی اقدامات پاکستان کے قیام کے وقت سے ہی جاری ہیں مثلاً ۱۲ مارچ ۱۹۴۹ء کو پاکستان کی دستور ساز اسمبلی میں قرار داد مقاصد منظور کی گئی جس میں یہ اقرار کیا گیا کہ حاکمیت اللہ تعالیٰ کی ہے لہٰذا پاکستان کا آئین اسلام کے مطابق ہوگا۔ اسی طرح ۱۹۵۶ء میں پاکستان کا جو آئین مرتب کیا گیا اس میں یہ طے پایا کہ قرآن و سنت کے منافی تمام قوانین کو منسوخ کر دیا جائے گا اور موجودہ قوانین کو قرآن و سنت کے مطابق بنایا جائے گا۔ اس کے علاوہ مختلف حکومتوں کی طرف سے اسلامی شریعت کے نفاذ کے چند ادارے بھی قائم کئے گئے اور بعض قوانین کو اسلامی بھی بنایا گیا۔ لیکن پچھلی حکومتوں کی طرف سے نفاذ شریعت کے سلسلہ میں جو کچھ کیا گیا اس کا زیادہ تر تعلق قیام پاکستان کے مقصد کو آئینی حیثیت دینے سے تھا جو بلاشبہ ایک عظیم اور بنیادی اقدام تھا لیکن جہاں تک اسلامی شریعت کو پورے نظامِ زندگی کے طور پر ملک میں نافذ کرنے کا سوال تھا اس کے لئے کوئی سنجیدہ کوشش دیکھنے میں نہیں آئی۔ موجودہ حکومت نے برسر اقتدار آتے ہی اس مقصد کی تکمیل سے متعلق اپنے عزم کا اعلان کیا اور پہلے سے قائم شدہ نفاذ شریعت کے اداروں کو مؤثر بنانے اور نئے ادارے قائم کرنے کی طرف توجہ مبذول کی۔

بعض لوگ نفاذِ اسلام کا یہ مطلب سمجھتے ہیں کہ حکومت کی طرف سے عدالتوں میں اسلامی قانون جاری کر دیا جائے۔ عدالتوں میں اسلامی قوانین کا اجراء نفاذِ اسلام کا ایک اہم حصہ ضرور ہے مگر صرف اتنا کر دینے سے اسلام نافذ نہیں ہو جاتا۔ اسلام پوری زندگی کے لئے اور ہر ہر عمل کے لئے احکام و قوانین دیتا ہے جن کی پابندی ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے۔ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہے کہ وہ پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو جائیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کو نظامِ حیات کے طور پر اپنایا جائے۔ یہ نہ ہو کہ کسی معاملے میں اسلامی تعلیمات کو اپنا لیا، کہیں اپنی من مانی کر لی اور کہیں کسی اور نظام کے مطابق عمل کر لیا۔ ایک مسلمان جب کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھتا ہے تو وہ دراصل یہ اقرار کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی کو معبود مان کر اس کی عبادت یعنی بندگی اور اطاعت کی جائے گی اور اطاعت و بندگی کا وہ طریقہ اختیار کیا جائے گا جو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا۔ بس اسی اقرار کے مطابق اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی گزارنے کا نام نفاذِ اسلام ہے۔

کلمہ طیبہ کے اقرار کے بعد ایک مسلمان اپنے ضمیر کی قوت سے اپنے ارادے اور اختیار سے اسلام کو نافذ کرتا ہے مگر جہاں ضمیر کمزور ہو جائے اور انسان جرائم کے ارتکاب پر آمادہ ہونے لگے وہاں قانون کی قوت کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ انسان کو جبراً راہ راست پر رکھا جا سکے۔

اس طرح نفاذِ اسلام کے دو پہلو ہیں، ایک اخلاقی اور ایک قانونی۔ اخلاق کی درستی قلب و ضمیر کی اصلاح سے ہوتی ہے جس کی وجہ سے آدمی خود بخود اچھے اعمال انجام دینے اور برے اعمال سے اجتناب کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ قانون کے اجراء سے جرائم کی روک تھام اور برائیوں کے سدباب میں مدد ملتی ہے۔ بقول حضرت مفتی شفیع صاحبؒ اخلاق اور قانون گاڑی کے دو پہیوں کی طرح ہیں کہ اگر ایک پہیہ بھی خراب ہو تو گاڑی نہیں چلتی۔ اگر لوگوں کے اخلاق درست نہ ہوں تو قانون رشوت ستانی مفاد پرستی اور اقربا پروری وغیرہ کی نذر ہو جاتا ہے۔ اور اگر قانون نہ ہو تو مجرم دندناتے پھرتے ہیں اور لوگوں کی جان، مال اور عزت خطرے میں پڑ جاتی ہے۔ اخلاق کی درستی تعلیم، تبلیغ اور اچھی صحبت کے ذریعے ہوتی ہے۔ تعلیم و تبلیغ کا کام حکومت کے فرائض میں بھی داخل ہے اور عام مسلمانوں کے بھی۔ فرق صرف یہ ہے کہ اگر لوگوں پر تعلیم و تبلیغ کا اثر نہ ہو اور وہ اچھے اعمال کے بجائے برے اعمال کر رہے ہوں تو حکومت

اس صورت حال پر قابو پانے کے لئے قوت استعمال کر سکتی ہے جبکہ عام لوگ اکثر ایسا نہیں کر سکتے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ کے قیام کے دوران مسلمانوں کی اخلاقی تربیت فرمائی اور مدینہ منورہ میں جب اسلامی ریاست قائم ہو گئی تو قانون نافذ فرمایا کیونکہ قانون کا نفاذ ریاست کی قوت کے ذریعے ہی ہو سکتا تھا۔ مکی زندگی میں مسلمانوں کی جو اخلاقی تربیت کی گئی اس کی وجہ سے مسلمانوں کے دلوں میں قانون کا اس قدر احترام پیدا ہو گیا کہ جب شراب کی ممانعت کا اعلان ہوا تو شراب جس کے جام میں تھی اس نے اس جام کو الٹا کر دیا جس کی صراحی میں تھی اس نے صراحی اوندھی کر دی حتیٰ کہ شراب جس کے منہ میں تھی اس نے پینے کے بجائے منہ میں سے باہر نکال دی۔

بہت سے لوگ کہتے ہیں کہ جب اخلاقی پستی عام ہے تو پھر اسلام کون نافذ کرے گا اور کیسے ہو گا اس سوال کا جواب انبیاء علیہم السلام خصوصاً حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور عمل میں ملتا ہے۔ وہ خود عمل کر کے دکھاتے ہیں۔ پھر ان کے عمل اور ان کی تبلیغ سے متاثر ہو کر کچھ اور افراد ان کی تقلید کرتے ہیں۔ رفتہ رفتہ ایک گروہ تیار ہو جاتا ہے اور یہی گروہ اپنی تنظیم کی بدولت مادی قوت بھی حاصل کر لیتا ہے اور اپنے بہترین اخلاق اور مادی قوت سے انسانی معاشرے میں قانون کو جاری کرتا ہے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے سامنے اپنا بہترین عملی نمونہ پیش فرمایا۔ پھر لوگوں کو ایمان اور اچھے اعمال کی تلقین فرمائی۔ نبوت سے پہلے بھی آپ اپنے بہترین اخلاق و کردار کی وجہ سے مشہور تھے چنانچہ اعلان نبوت کے وقت آپ نے اپنے اسی اعلیٰ کردار کی طرف لوگوں کی توجہ مبذول کرائی آپ نے لوگوں سے پوچھا کہ وہ آپ کو کیسا سمجھتے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا صادق اور امین۔ مطلب یہ ہے کہ آپ نے اپنا عملی نمونہ سامنے رکھا۔ پھر آپ کو حکم ہوا کہ اپنے قریبی رشتے داروں کو خبردار کریں آپ نے اعزہ کو جمع کر کے ان کو اسلام کی تبلیغ فرمائی۔ آپ نے ایک ایسا کلیہ بیان فرمایا کہ اگر اس کے مطابق عمل کیا جائے تو معاشرہ بہت جلد راہ راست پر آ جائے اور فلاح پا جائے۔ ارشاد ہوا کہ تم میں سے ہر ایک نگران ہے اور ہر ایک سے اس کے زیر نگرانی افراد کے بارے میں باز پرس کی جائے گی۔ مطلب یہ ہے کہ جس کو کسی پر اختیار حاصل ہو وہ حتی الامکان اس کو فائدہ پہنچانے اور نقصان سے بچانے کا اہتمام کرے اور اس کو نیکیوں کی طرف مائل کرنے اور برائیوں سے باز رکھنے کی کوشش کرتا رہے۔ اسی کلیہ کے تحت سربراہ

مملکت اپنے عوام کی، مرد اپنے بیوی بچوں کی، ماں باپ اپنی اولاد کی، افسر اپنے ماتحتوں کی، استاد اپنے شاگردوں کی، غرضکہ جس کو جس کسی پر اختیار یا اثر و رسوخ حاصل ہو وہ اس کے مفاد اور اصلاح کا خیال رکھے۔

برائیوں کے خاتمے کے لئے ایک اور جامع حکم بھی دیا گیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ جو کوئی بھی کوئی برائی ہوتے دیکھے وہ اس کو ہاتھ سے روکے۔ اگر ایسا نہ کر سکے تو زبان سے روکے، اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو دل سے برا سمجھے اور یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے۔ مقصد یہ ہے کہ کم از کم برائی کا احساس ہی باقی رہے تاکہ کسی وقت عمل کی توفیق ہو سکے۔ احساس ختم ہو جائے تو عمل کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

موجودہ معاشرے میں بہت سے لوگوں میں برائی کا احساس نظر نہیں آتا اور بعض مجلسوں میں لوگ اپنی دھوکہ دہی اور حرامکاری کے واقعات بڑے مزے لے لے کر سناتے ہیں اور حاضرین مجلس ان کو دلچسپی کے ساتھ سنتے ہیں۔ یہ صورت حال اخلاقی پستی کی انتہا کو ظاہر کرتی ہے جہاں سے عمل کی توفیق کا حصول مشکل ہو جاتا ہے۔

برائیوں اور جرائم کی روک تھام کے لئے متعلقہ ذمہ دار افراد سے شکایت کرنا بھی ایک مؤثر عمل ہے۔ اکثر لوگ یہ کہتے سنے جاتے ہیں کہ شکایت کر کے کیا فائدہ؟ کچھ ہوتا تو ہے نہیں۔ اس سلسلے میں چند باتیں ملحوظ رہیں تو شکایت کے فوائد واضح ہو سکتے ہیں۔ ایک بات تو یہ کہ ہر آدمی کا کوئی نہ کوئی مخالف یا کم از کم حاسد تو ضرور ہوتا ہے، تو جب کسی کے خلاف شکایت پہنچے گی تو یہ مخالفین اور حاسد اس سے فائدہ اٹھا کر اس شخص کے خلاف کوئی کارروائی ضرور کرائیں گے۔ دوسرے یہ کہ افسر متعلقہ اگر اس وقت کچھ نہ بھی کہے مگر چونکہ اپنے ماتحت کی یہ کمزوری اس کے علم میں آجائے گی لہٰذا وہ کسی اور موقع پر اس شخص کے خلاف کارروائی کرے گا۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ چند آدمیوں کے نیک بننے سے پورے معاشرے پر کیا فرق پڑ سکتا ہے۔ اس سلسلے میں ایک بات تو یہ ملحوظ رکھنی ضروری ہے کہ جو لوگ اسلامی تعلیمات پر عمل کر کے معاشرے

میں اچھا فرد بنیں گے۔ وہ خود دنیا میں بھی سکون کی زندگی گزاریں گے اور آخرت میں بھی اجر و ثواب کے مستحق ہوں گے۔ دوسرے یہ کہ برائی کر کے جو وہ شر پھیلاتے اس سے بچیں گے اور اس طرح لوگ ان کے شر سے محفوظ رہیں گے۔ تیسرے یہ کہ نیکی کی مثال ایک روشنی کی سی ہے۔ اگر چند لوگ بھی نیکیاں کریں گے تو گو مدھم ہی سہی مگر نیکیوں کی روشنی ضرور پھیلے گی۔ اس روشنی یعنی نیکی سے لوگ فائدہ اٹھائیں گے۔ چوتھے یہ کہ ہو سکتا ہے ان کی دیکھا دیکھی کچھ اور لوگ بھی اچھے عمل کرنے لگیں۔ اسی طرح دیے سے دیا جلتا آیا ہے۔ بہرحال ایک شخص بھی اگر یہ تہیہ کر لے کہ اسلامی تعلیمات کو اپنے اوپر نافذ کرے گا تو اس کے بھی بہت سے فائدے ہیں۔

اس دور میں عموماً فیشن ہو گیا ہے کہ جب کچھ لوگ مل کر بیٹھتے ہیں تو معاشرے پر تنقید کرتے ہیں ہر شخص کو دوسروں کی اصلاح کی فکر رہتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بہت سے لوگوں کو جو خود بھی کسی نہ کسی برائی میں مبتلا ہوتے ہیں دوسروں کی برائیاں زیادہ بھیانک دکھائی دیتی ہیں اور جو کچھ وہ خود کرتے ہیں وہ انہیں بہت ہلکی بات معلوم ہوتی ہے مثلاً جو رشوت خور ہے وہ دواؤں اور غذاؤں میں ملاوٹ کرنے والوں کو برا کہتا ہے۔ جو ملاوٹ کرنے کا مجرم ہے وہ ذخیرہ اندوزی کرنے والوں پر برہم ہوتا ہے جو ذخیرہ اندوز ہے وہ ان سرکاری ملازمین سے نالاں ہے جو اپنے فرائض منصبی سے غفلت برتتے ہیں اسی طرح دوسرے مجرم بھی اپنے سے مختلف جرم کرنے والوں کو برا بھلا کہتے دکھائی دیتے ہیں اگر محض دوسروں کی اصلاح کے بجائے ہر ایک کو اپنی اصلاح کی فکر ہو جائے تو معاشرہ درست ہو سکتا ہے۔ انسان کے اختیار میں سب سے زیادہ اس کی اپنی ذات ہے تو جو شخص اپنی ذات پر اسلام کو نافذ نہیں کر سکتا وہ دوسروں پر کیا نافذ کرے گا۔

اکثر لوگ نفاذ اسلام کی پوری ذمہ داری حکومت پر ڈالتے ہیں۔ اس سلسلے میں دو امور توجہ طلب ہیں۔ ایک تو یہ کہ انسان کے اعمال کا دار و مدار نیت پر ہوتا ہے، تو اعمال سے متعلق قوانین تو حکومت نافذ کر سکتی ہے مگر حکومت کو نہ کسی کی نیت کا علم ہو سکتا ہے اور نہ کسی کی نیت پر کنٹرول حاصل ہے مثلاً حکومت دفتروں میں نماز کی پابندی کے احکام تو جاری کر سکتی ہے لیکن حکومت یہ معلوم نہیں کر سکتی کہ کون اللہ تعالیٰ کا حکم سمجھ کر واقعی نماز پڑھ رہا ہے اور کون دکھاوا کر رہا ہے۔ دوسری توجہ طلب

بات یہ ہے کہ بعض اعمال بھی حکومت کے علم میں نہیں آسکتے۔ اس لئے حکومت ان کے بارے میں بھی کچھ نہیں کر سکتی۔ مثلاً حکومت احترام رمضان آرڈیننس کے ذریعے یہ تو کر سکتی ہے کہ لوگ رمضان المبارک میں عام مقامات پر کھانے پینے سے پرہیز کریں لیکن یہ کوئی نہیں معلوم کر سکتا کہ کس نے واقعی روزہ رکھا ہے اور کس نے غسل خانے میں جا کر پانی پی لیا ہے۔ دراصل نفاذ شریعت ہر اس شخص کی ذمہ داری ہے جو کلمہ طیبہ پڑھ کر دائرۂ اسلام میں داخل ہوتا ہے۔

ملک میں اسلام کو ایک نظام کی حیثیت سے نافذ کرنے کے لئے یہ بات لازمی ہے کہ لوگوں کو خصوصاً نفاذ اسلام کے ذمہ دار افراد کو اسلامی تعلیمات کا علم حاصل ہو۔ اس سلسلے میں یہ ضروری ہے کہ سب سے پہلے قرآن کریم کو سمجھ کر پڑھا جائے اور قرآن کریم کو پوری طرح سمجھنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات گرامی اور آپ کی سیرت طیبہ کا مطالعہ کیا جائے۔ اس کے علاوہ آپ کے صحابہؓ کی زندگی اور تبلیغ، جہاد اور انتظام مملکت وغیرہ کے سلسلے میں ان کے کارناموں کا علم حاصل کیا جائے۔ دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کا زمانہ تاریخ انسانی کا بہترین دور تھا جہاں اسلام کی خالص تعلیمات بھی ملتی ہیں اور ان کا عملی نمونہ بھی پایا جاتا ہے۔

نفاذِ اسلام کے سلسلے میں دوسری بات یہ ضروری ہے کہ حکومت اور مختلف تعلیمی اداروں کی طرف سے لوگوں کو اسلامی تعلیمات سے روشناس کرانے کا انتظام کیا جائے۔ مختلف پیشوں سے وابستہ لوگوں کو خصوصاً ان کے پیشوں سے متعلق اسلامی احکام اور اصول بتائے جائیں مثلاً افواج کے لوگوں کو فوجی امور سے متعلق اور تاجروں کو تجارت سے متعلق اسلامی احکام و قوانین سے آگاہ کیا جائے۔

اس کے علاوہ سرکاری اور غیر سرکاری محکموں، اداروں اور کارخانوں وغیرہ میں مختلف اسامیوں پر تقرر اور ترقی کے وقت اسلامی تعلیمات کے علم کو بھی زبانی اور تحریری امتحانات میں کامیابی کے لئے شرط قرار دیا جائے۔ علما اور خطبا کی طرف سے مساجد میں صرف فضائل اور واقعات سنانے پر اکتفا نہ کیا جائے جیسا کہ آج کل عموماً کیا جاتا ہے بلکہ عملی زندگی کے اسلامی اصول اور آداب بھی لوگوں کو بتائے جائیں مثلاً نظم و نسق کے اسلامی اصول اور اٹھنے بیٹھنے اور خورد و نوش کے آداب وغیرہ بتائے جائیں۔

جس طرح دوا کے ساتھ پرہیز ضروری ہوتا ہے اسی طرح اچھی اقدار کو پھیلانے کے ساتھ ساتھ غلط اقدار کو مٹانے کا کام بھی ضروری ہے ذرائع ابلاغ اپنے پروگرام اس طرح ترتیب دیں کہ ان کا محور نفاذ اسلام ہو۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی پروگرام اسلامی اقدار کے فروغ کے لئے ہو اور کوئی اس کے خلاف فعلاً یہ نہ کیا جائے کہ ایک طرف تو سگرٹ نوشی کے نقصانات بتائے جائیں اور دوسری طرف رغبت دلانے کے لئے سگرٹ کا اشتہار دیا جائے۔ اسی طرح یہ نہ ہو کہ ایک طرف تو بے حیائی اور فحاشی کے خلاف خطبہ نشر کیا جائے اور دوسری طرف ایسے اشتہارات اور تصاویر دکھائی جائیں جن میں فحاشی کا مظاہرہ ہوتا ہو۔ ایک طرف والدین اور اساتذہ کے احترام کی بات کی جائے اور دوسری طرف ڈراموں میں ایسے مکالمے سنائے جائیں جن میں چھوٹے بڑوں کی توہین کر رہے ہوں۔

علاوہ ازیں والدین بچوں کو اپنے بڑوں کا احترام کرنا سکھائیں تاکہ بچے بڑوں کی بتائی ہوئی اچھی باتوں پر عمل کرنے کے لئے آمادہ ہو سکیں۔ یہ ایک نفسیاتی بات ہے کہ انسان اسی کی بات پر توجہ دیتا ہے جس کا احترام اس کے دل میں قائم ہو۔ بچوں کو اخلاقی کہانیاں سنائی جائیں اور ایسی کتابیں مہیا کی جائیں جو تعمیر کردار میں مدد دینے والی کہانیوں اور قصوں پر مشتمل ہوں۔

علاوہ ازیں نفاذ اسلام کے ذمہ دار افراد لوگوں کے سامنے اپنا عملی نمونہ بھی پیش کریں خصوصاً سادگی کو اپنا شعار بنائیں۔ یورپ سے معیار زندگی کو بلند کرنے کا جو تصور آیا ہے وہ انسانی معاشرے کے لئے ایک لعنت ہے۔ اس کی وجہ سے رشوت خوری، غبن، چوربازاری وغیرہ جرائم فروغ پا رہے ہیں۔ جب ذمہ دار افراد خود اپنا اعلیٰ نمونہ پیش کریں گے تو لوگ بھی ضرور ان کی تقلید کریں گے اور اس طرح نفاذِ اسلام کے عمل کو تیز کرنے میں مدد ملے گی۔

دنیا میں ظاہری اعمال پر فیصلہ ہوتا ہے اور قیامت میں نیت کے مطابق فیصلہ ہوگا۔ ہر شخص کو اس کے اعمال کا بدلہ ملے گا۔ کوئی شخص کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ اس لئے ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے کہ وہ نیت کو درست رکھتے ہوئے اخلاص کے ساتھ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر امور زندگی کو انجام دے اور جہاں تک قوانین کے نفاذ اور ان فرائض منصبی کی بجا آوری کا تعلق ہے جو ایک اسلامی حکومت پر عائد ہوتے ہیں تو